وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

مقدّمہ ابنِ خلدون

فلسفہ تاریخ تمدن، موارض تمدن پر جامع بحث
اور بصیرت افروز تاریخ نکات کا بیان

تصنیف:

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدونؒ
(۷۳۲-۸۰۸)

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

جدید کمپیوٹر ایڈیشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وذکرھم بایّٰم اللّٰہ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لکل صبار شکور

مقدمہ

ابنِ خلدون

(حصہ دوئم)

فلسفہ، تاریخ، تمدن و عوارض تمدن پر جامع بحث اور بصیرت افروز تاریخی نکات کا بیان

مصنفہ

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون ۷۳۲ھ تا ۸۰۸ھ (۱۳۳۳ء تا ۱۴۰۶ء)

ترجمہ

مولانا راغب رحمانی

نفیس اکیڈیمی اردو بازار کراچی

1

كتاب العبد وديوان المبتداء والخبر من احوال العرب والعجم والبربر و من عاصرهم من ملوك التربيعنى

علامہ ابن خلدون کی کتاب التواریخ

نام کتاب: مقدمہ ابن خلدون
مصنف: رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون
ترجمہ: علامہ راغب رحمانی دہلوی
ناشر: نفیس اکیڈمی۔ اردو بازار۔ کراچی
طبع یازدھم: دسمبر ۲۰۰۱ء
ایڈیشن: کمپیوٹر کمپوز ایڈیشن
ضخامت: ۶۸ے
ٹیلیفون: ۲۲۲۰۸۰ے ے
مطبوعہ: احمد برادرز پرنٹرز۔ ناظم آباد۔ کراچی

تا کہ خلیفہ دین کی حفاظت کرے اور دنیوی حکومت شرع کے مطابق قائم کرے۔ لہٰذا طبعی حکومت' سیاسی حکومت اور خلافت یا امامت کے معانی ذہن میں رکھیے کیونکہ آنے والی گفتگو میں کارآمد اور معاون ثابت ہوں گے اور اللہ بڑی حکمت والا ہے اور وسیع علم والا ہے۔

چھبیسویں فصل

خلافت وشروط خلافت میں اختلافات

خلافت و امامت کا مفہوم: چونکہ ہم خلافت کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ خلافت دین کی حفاظت کے لیے اور دنیا کی سیاست کیلئے صاحب شریعت کی جانشینی ہے۔ لہٰذا اس جانشینی اور نیابت کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔

خلیفہ کو امام کہنے کی وجہ: خلیفہ کو امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے امام نماز کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ جیسے مقتدی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے اسی طرح تمام رعایا کو اپنے خلیفہ کی پیروی لازم ہے۔ اس لیے خلافت کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے اور خلیفہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ امت میں پیغمبر کی جانشینی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ خلیفہ کو کبھی خلیفہ رسول اللہ کہتے ہیں اور کبھی صرف خلیفہ اضافت کے بغیر ہی کہا جاتا ہے۔

کیا خلیفہ کو خلیفۃ اللہ واللہ کا خلیفہ بھی کہا جا سکتا ہے: اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کی بھی اجازت دی ہے کیونکہ قرآن پاک میں انسان کے لیے خلافت عامہ ثابت ہے فرمایا (نمبر۱) ﴿انی جاعل فی الارض خلیفه﴾ یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (نمبر۲) ﴿جعلکم خلائف الارض﴾ یعنی اللہ نے تم کو زمین کا خلفاء مقرر کیا ہے لیکن جمہور خلیفۃ اللہ کہنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ آیتوں میں یہ اصطلاحی خلیفہ مراد نہیں ہے ایک دفعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ دیا۔ آپؓ نے اسے منع کر دیا اور فرمایا میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفہ رسولؐ ہوں علاوہ ازیں خلافت و نیابت اس کی ہوتی ہے جو غائب ہو اور موجود نہ ہو اور حق تعالیٰ شانہٗ تو موجود ہے۔ اس لیے خلیفۃ اللہ کہنا بے معنی ہے اور برمحل نہیں۔

کیا تقرر امام ضروری ہے؟ ہاں ضروری ہے اور اس کا وجوب شرع سے اور صحابہؓ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے کیونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد صحابہ کرامؓ نے آپ کو دفن کرنے سے پہلے یہی کام کیا تھا اور صدیق اکبر کو خلیفہ چن لیا تھا اور تمام ملکی انتظامات ان کے حوالے کر دیئے تھے۔ پھر آپ کے بعد ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا رہا اور لوگوں کو کسی زمانہ میں بھی مطلق العنان اور خلیفہ کے بغیر آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ اس اعتبار سے تقرر خلیفہ پر امت کا بھی اجماع

گی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے کفایت وصلاحت کی اس لیے شرط ہے کہ اہلیت کے بغیر امام کا بننا نہ بننا برابر ہے۔

کفایت کا مفہوم: کفایت وصلاحیت یہ ہے کہ امام حدود شرعیہ جاری کرنے پر جرات والا ہو لڑائیوں میں بے دھڑک اپنی بے مثال شجاعت سے گھس جانے والا ہو ان کے نشیب وفراز اور جنگی چالوں کو خوب سمجھنے والا ہو ذمہ دار اور فرائض شناس ہو کہ لوگوں کو لڑائیوں پر ابھار سکے اور انہیں جہاد کا شوق دلا کر لڑائیوں میں برضا ورغبت کھینچ لائے عصبیت اور سیاسی چالوں سے خوب آگاہ ہو اور سیاسی راہ میں مصائب برداشت کرنے پر قوی ہوتا کہ وہ ان تمام باتوں کی وجہ سے اپنے فرائض کما حقہ پورے کر سکے اور اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو سکے دین کی پوری پوری حفاظت وحمایت کر سکے دشمن سے جہاد کرنے میں بلند حوصلہ رہے احکام شرعیہ قائم کر سکے رفاہ عام کے کام انجام دے سکے اور سلامتی حواس واعضاء کی اس لیے شرط ہے (یعنی اعضا میں نہ نقص ہو اور نہ یہ بات ہو کہ وہ سرے ہی سے نہ ہوں۔ جیسے جنون نابینائی بہرہ پن گونگا ہونا اور ان اعضاء کا نہ ہونا جن کے نہ ہونے سے کام میں خلل آئے) جیسے دونوں ہاتھ یا دونوں پیر یا دونوں فوطے نہ ہوں غرضیکہ ان سب میں صحیح و سلامت ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ ان سے وہ کام اور انتظام تکمیل کو پہنچتے ہیں جو امام کے فرائض میں شامل ہیں اور اس کی ذمہ داریوں میں داخل ہیں اگر امام کی شکل وصورت میں کوئی عیب پیدا ہو گیا ہے جیسے ایک ہاتھ یا ایک پیر جاتا رہا تو مضر نہیں کیونکہ سلامتی اعضاء سے کامل حاسہ وعضو مراد ہے۔

تصرف پر پابندی بمنزلہ عدم عضو کے ہے: محرومی اعضاء میں امام کے تصرف پر پابندی بھی شامل ہے جیسے اگر کوئی امام ملکی تصرفات سے روک دیا جائے تو وہ بھی محروم الاعضاء کے زمرے میں شامل ہے۔

تصرف پر پابندی کی دو قسمیں: تصرف پر پابندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی پابندی سے امام کا محفوظ ہونا ضروری ہے اور یہ شرط واجب ہے یعنی اسے جکڑ کر قید میں ٹھونس کر اور مجبور ومقہور کر دیا جائے کہ وہ ملکی تصرفات سے بالکل عاجز آ جائے دوسری قسم یہ ہے کہ اس کے غلام اور کارکن اختلاف وحکم عدولی کے بغیر اس پر چھا جائیں اور اس سے اس کے اختیارات چھین لیں اور وہ بے چارہ اختیارات سے محروم ہو کر رہ جائے۔ ان حالات میں اس چھا جانے والے کے حال پر غور کیا جائے۔ اگر یہ شرع کے موافق چل رہا ہے اور عدل کے تقاضوں پر عمل کر رہا ہے اور لائق تعریف ملکی انتظام کر رہا ہے اور حکومت چلا رہا ہے تو اسے بحال رکھنا جائز ہے ورنہ جائز خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی حکومت وامامت غاصب کے ہاتھوں سے چھین لیں تاکہ امام کی بیماری دور ہو اور وہ اس جنجال سے نکل کر ملکی تصرفات پر قادر ہو۔

امام کے قرشی النسب ہونے کی شرط پر استدلال اور اس کا جواب: قرشی النسب ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اس پر سقیفہ بنی ساعدہ کے دن صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا اس دن انصار نے سعد بن عبادہ انصاری کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تھی اور یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ دو امیر چن لیے جائیں۔ ایک انصار کا اور دوسرا قریش کا تو قریش نے حق امامت پر نبی ﷺ کے فرمان عالی شان ((الائمة من قریش)) (امام قریش ہی ہوں گے) سے استدلال کیا تھا اور اس سے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم تمہارے مخلصوں کے ساتھ حسن سلوک کریں اور دوسروں سے جو

بڑے ہیں درگزر کریں۔ اگر امارت انصار میں ہوتی تو قریش کو انصار کے بارے میں یہ حکم نہیں کیا جاتا۔ انصار نے یہ دلیل مان لی اور امارت سے ہٹ گئے اور سعدؓ کی بیعت سے پھر گئے۔ علاوہ ازیں ایک صحیح حدیث میں ہے لا یزال ھذا الامر فی ھذا الحیّ من قریش یہ خلافت اس قبیلہ قریش میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اسی قسم کی اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں مگر جب قریش کمزور ہو گئے اور ان میں عصبیت باقی نہیں رہی کیونکہ حکومت عیش وعشرت میں گرفتار ہو گئے اور وہ اسلامی وسیع حکومت کے گوشہ گوشہ میں منتشر ہو گئے۔ کیونکہ حکومت کو ان کی مانگ تھی تو اس وجہ سے وہ بار خلافت نہ اٹھا سکے اور اس سے عاجز آ گئے اور ان پر عجمی چھا گئے اور حل وعقد انہیں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اس وجہ سے بہت سے ارباب تحقیق اشتباہ میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ امام کے لیے قرشی ہونے کی شرط کا انکار کر بیٹھے اور انہوں نے اس سلسلہ میں نصوص کے سطحی معانی پر بھروسہ کر لیا۔ جیسے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور کہنا مانو۔ اگرچہ تم پر انگور کے دانہ کی طرح چھوٹے سر والا حبشی غلام حاکم بنا دیا جائے۔ حالانکہ اس مسئلہ پر اس حدیث سے دلیل قائم نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث بمنزلہ تمثیل کے ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ وجوب سمع واطاعت پُر زور ہو جائے اور اس میں استحکام پیدا ہو جائے۔ اسی طرح اس شرط کی نفی پر فاروق اعظم کے اس قول سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر سالمؓ حذیفہ کا آزاد کردہ غلام زندہ ہوتا تو میں اسے حاکم بنا دیتا یا اس کے بارے میں میرے دل میں بدگمانی نہ آتی۔ لیکن یہ قول بھی کارآمد نہیں کیونکہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ نص کے مقابلہ میں صحابی کا قول حجت نہیں ہوا کرتا۔ علاوہ ازیں قوم کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) قوم ہی میں سے ہوتا ہے اور سالم کو قریش میں ولاء کی عصبیت حاصل تھی اور نسب کی شرط کا فائدہ عصبیت ہی ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ سالم کا قریش میں خالص نسب نہ تھا۔ مگر نسب کے قائم مقام انہیں حق ولاء حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ نے خلافت میں خالص نسب کو غیر ضروری سمجھا۔ کیونکہ نسب سے عصبیت ہی کا تو فائدہ ہے جو حق ولاء سے سالم کو حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ مسلمانوں کی خیرخواہی پر جمی ہوئی تھی اور اس پر بھی کہ خلافت کا بار اس کے کندھوں پر ڈال دیا جائے جو خلافت کے کاموں میں ملامت گروں کی ملامت سے مرعوب نہ ہو۔ اور اس کا دامن بھی ملامت وعیب کے دھبوں سے پاک ہو۔

قاضی ابوبکر باقلانی بھی امام کے قرشی ہونے کے قائل نہیں۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں قرشی عصبیت فنا ہو چکی تھی۔ اور اس میں اضمحلال وزوال آ چکا تھا اور خلفاء پر سلاطین عجم چھائے ہوئے تھے اس لیے قاضی صاحب نے قرشی ہونے کی شرط ختم کر دی اگرچہ یہ مذہب خارجیوں کا ہے۔ لیکن انہوں نے اس موافقت کی بھی پرواہ نہیں کی کیونکہ ان کے ہم عصر خلفاء کا تمام حال ان کی نگاہ میں تھا۔ لیکن یہ جمہور اس شرط کے قائل رہے اور اسی پر جمے رہے کہ قرشی ہی امامت کا حق دار ہے اگرچہ اس سے مسلمانوں کے کاموں کا انتظام نہ سنبھال سکے۔ اس پر جمہور کا تعاقب کیا گیا ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے تو اہلیت و صلاحیت کی شرط بھی ٹوٹ جاتی ہے جس سے امام کو امامت پر مدد ملتی ہے کیونکہ جب عصبیت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے شوکت وسطوت ختم ہوئی تو اہلیت کہاں ختم ہوئی تو علم ودین کی شرطوں میں بھی خلل رونما ہوا اور اس منصب کی تمام شرطیں ٹوٹ کر ختم ہوئیں۔ حالانکہ یہ خلاف اجماع ہے۔

شرط نسب کی حکمت کیا ہے؟ آیئے اب ہم نسب کی شرط کی حکمت کا سراغ لگائیں تاکہ ہمیں ان اقوال میں سے صحیح قول کا علم ہو جائے ہمیشہ یاد رکھئے کہ تمام احکام شرعیہ کے مقاصد کے ساتھ ساتھ مصالح وحکم بھی ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ

احکام شروع کیے جاتے ہیں اور انہیں رواج دیا جاتا ہے۔ جب ہم شرط نسب کی حکمت کا کھوج لگاتے ہیں اور اس سے شارع کا مقصد معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہم محض تبرک پر قناعت نہیں کرتے کہ قریش نبی ﷺ کا خاندان ہے اور شرط و نسبت سے صرف برکت کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ بلاشبہ برکت کا حصول بھی مقصود ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی مقصود ہے۔ کیونکہ تبرک مقاصد شرعیہ میں داخل نہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ لہٰذا تبرک کے علاوہ کوئی اور مصلحت حکمت تلاش کرنی پڑے گی جو اس شرط کے لگانے سے شارع کے پیش نظر ہے۔ جب ہم غور وفکر کرتے ہیں اور تجزیہ کرتے ہیں تو عصبیت ہی سامنے آتی ہے۔ یعنی شارع کے پیش نظر مصلحت عصبیت ہی ہے جس کے ذریعہ حقوق کی حفاظت وحمایت ہوتی ہے اور امام کے سلسلہ میں اختلافات اٹھ کر قوم میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اور ملت وارباب ملت امام سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی طرف سے انہیں پورا پورا اطمینان حاصل ہوتا ہے اور سب کے سب مذہبی رشتہ الفت ومحبت میں منسلک ہو جاتے ہیں۔
اصل بات یہ ہے کہ مضر کے تمام خاندانوں میں قریش ہی ایک ایسا بنیادی خاندان تھا جسے مضر کے تمام خاندانوں کی جڑ اور ان کا مرکزی ستون کہنا چاہیے اسی کو تمام خاندانوں پر عزت و بزرگی حاصل تھی۔ یہی غلبہ و اقتدار کے مالک تھے۔ انہیں کو اکثریت اور عصبیت حاصل تھی اور تمام عرب انہیں کے شرف کے قائل تھے انہیں کا لوہا مانتے تھے' انہیں کے شرف کے معترف تھے اور انہیں کے مطیع ومنقاد تھے۔ اگر خلافت ان کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کو مل جاتی تو عجب نہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی کیونکہ عرب قریش کے علاوہ دوسرے قبیلہ کی مخالفت کرتے اور اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتے اور مضر کے دوسرے قبائل عربوں کو اس اختلاف سے روکنے پر قادر نہ ہوتے اور نہ کوئی عربوں کو جہاد کے لیے اٹھا سکتا تھا۔ لہٰذا جماعت میں پھوٹ پڑ جاتی اور ملک میں ابتری پھیل جاتی۔ شارع اختلاف وتفریق سے ڈراتے ہیں اور قوم میں جذبہ اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی بے پناہ تڑپ رکھتے ہیں اور باہمی اختلاف کو اور جھگڑوں کو مٹانا چاہتے ہیں تا کہ رشتہ یگانگت مستحکم ہو اور عصبیت مضبوط رہے اور حقوق کے مطالبات وحمائتیوں پر بہترین طریقہ سے عمل درآمد ہو سکے۔ لیکن اس کے برخلاف اگر قریش میں امامت برقرار رہے تو یہ تمام الجھنیں یک لخت کافور ہو جاتی ہیں کیونکہ قریش اپنے اثر واقتدار سے عربوں کو جدھر لے جانا چاہیں لے جانے پر قادر ہیں اور کوئی قبیلہ کان بھی نہیں ہلا سکتا۔ ان کے خلاف آواز اٹھانا' تو دور کی بات ہے اور کسی قبیلہ کی طرف سے ان کی اطاعت نہ کرنے کا ڈر بھی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اختلافات کو روکنے پر اچھی طرح سے قادر تھے اور دوسرے قبائل بھی ان کی حمایت پر کھڑے تھے۔ اسی لیے منصب امامت یا خلافت میں قرشی نسب کی شرط لگائی گئی کہ وہ مستحکم عصبیت والے ہیں تا کہ امام ملت کے انتظامات بہترین طریقہ سے انجام دے سکے اور مسلمانوں میں اتحاد واتفاق قائم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قریش برسر اقتدار آئے تو مضر کے تمام قبیلوں نے ان کی حمایت کی اور تمام عرب ان کے مطیع ومنقاد ہو گئے اور عربوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اسلامی حکومت کے زیر نگیں آئیں اور اسلامی فوجوں نے دور دراز کے شہر بھی روند ڈالے اور مشرق ومغرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ جیسا کہ عہد فتوحات میں واقعات پیش آئے اور بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانوں میں بھی فتوحات کی یہی شان قائم رہی حتی کہ خلافت میں اضمحلال و کمزوری آ گئی اور عربوں کی عصبیت ختم ہو گئی۔
جو لوگ عربوں کی تاریخ کا اور ان کی سیرتوں کا گہرا مطالعہ کرتے رہتے ہیں وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ قریش

کی کثرت تھی اور قبائل مضر پر انہیں کو اقتدار حاصل تھا۔ ابن اسحٰق نے کتاب السیر میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور دوسرے مورخین نے بھی۔

شرطِ قرشیت سے شرط کفایت کا حکم لگایا گیا: جب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی کہ امام کے قرشی ہونے کی شرط جھگڑا رفع کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ وہ قوت عصبیہ کے اور غلبہ واقتدار کے مالک ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ احکام شرعیہ کسی خاص قوم یا خاص خاندان کے ساتھ خاص نہیں ہوا کرتے تو ان دونوں مقدموں کو ملانے سے اہلیت کی شرط کا بھی ثبوت ہوا اور ہم نے شرط قرشیت سے شرط اہلیت (کفایت) کا حکم لگا دیا کیونکہ ان دونوں میں جامع اور علت عصبیت ہے۔ اس لیے ہم نے امام یا خلیفہ کے لیے یہ شرط مقرر کر دی کہ وہ ایسی قومی عصبیت والی قوم کا شخص ہو۔ جس کی عصبیت ہم عصر خاندانوں پر غالب ہو کہ تمام خاندان اس کے مطیع ومنقاد ہو جائیں اور اس کے اقتدار کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور سب متحد ہو کر حسن حمایت کا دم بھرنے لگیں۔ اس زمانہ میں قریش کو جو قوت عصبیت نصیب تھی۔ ایسی عصبیت دنیا میں کسی کو بھی میسر نہ تھی اور نہ آج تک میسر ہوئی کیونکہ اسلامی دعوت کا چشمہ انہیں سے پھوٹا پھر دنیا کے ہر گوشہ میں جا نکلا۔ عربوں کی تمام عصبی طاقتیں قریش کی عصبی طاقت میں سما گئی تھیں۔ اس لیے عرب تمام قوموں پر چھا گئے۔ لیکن آج کل قریش عصبی طاقت سے محروم ہیں۔ اس لیے آج دنیائے اسلام میں ہر ملک میں اسی کو امام تسلیم کر لیا جائے جس کی قوت عصبیہ کا اس ملک میں غلبہ ہو۔ اگر آپ خلافت کی مصلحت معلوم کرنا چاہیں تو آپ ہمارے بیان کردہ نظریہ سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ کیونکہ اللہ نے خلیفہ کو اپنے بندوں کے کام سنبھالنے کے لیے اور ان کی خیر خبر رکھنے کے لیے اپنا جانشین بنایا ہے تاکہ وہ ان کی فلاح و بہبودی میں ان کی تکلیفیں دور کرنے میں سر توڑ کوشش میں لگا رہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی تدبیریں اختیار کرے اور اللہ نے اسے امامت کے فرائض سے مخاطب فرمایا ہے اور امر کے ساتھ خطاب اسی سے کیا جاتا ہے جس کو اس کام پر قدرت حاصل ہو۔ تم دیکھتے نہیں امام فخر الدین رازی' (ابن خطیب) نے عورتوں کے بارے میں کس خیال کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتیں بہت سے شرعی احکام میں مردوں کی تابع ہیں اور خطاب میں بالتبع داخل ہیں بالوضع نہیں۔ امام موصوف کے نزدیک عورتیں' از روئے قیاس خطاب میں داخل ہیں کیونکہ عورتیں آزاد نہیں بلکہ مردوں کے ماتحت ہیں اور مرد ہی ان کے تمام کام انجام دیتے ہیں اور ان کے لیے ہر قسم کا انتظام کرتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ عبادتوں میں ان سے بھی براہ راست خطاب ہے کیونکہ ہر شخص اپنی عبادت آپ کرتا ہے۔ اس لیے عبادتوں میں ان سے بھی براہ راست خطاب ہے بالتبع نہیں۔ پھر اس پر کہ امام عصبیت والا ہی ہوتا ہے تاریخی واقعات بھی بطور شہادت کے قائم ہیں کیونکہ کسی قوم یا خاندان کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ان پر غالب ہوتا ہے اور شرعی حکم واقعی حکم کے خلاف ہوا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔